THE BOOK WAS DRENCHED

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222419
UNIVERSAL LIBRARY

۸۹۱ د ۳۱۶ و ے U1068
س
وفا، میلا رام

POCKET SLIP

سوز وطن ، شہ سوار ترکیہ نقاد

جملہ حقوق محفوظ

لسان الاعجاز پنڈت میلا رام صاحب وفا

کی

سیاسی نظموں کا مجموعہ

سوزِ وطن

(مؤلف و مدیر)

پنڈت سورج پرکاش نقّاد

سنہ ۱۹۴۱ء

کتب خانہ

عابد بلڈنگ حیدرآباد

بار اوّل

ایک روپیہ چار آنے

بسنے مانزم

ecked 1975

دیباچہ

باپ کی عزت بیٹے کے دل میں نہ ہوگی، تو اور کس کے دل میں ہوگی؟ مگر مجھے جذبۂ عزت کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا فخر بھی ہے، کہ لسان الاعجاز پنڈت میلارام صاحب وفا میرے باپ ہیں اور میں اُنکا بیٹا ہوں۔ میری خوش نصیبی بلاشبہ قابلِ رشک ہے کہ شعر و شاعری کی دنیا میں میرا باپ غیر معمولی شخصیت کا مالک ہے۔ اور اس کا شمار آسمانِ ادب کے روشن ترین ستاروں میں ہوتا ہے۔

ادبِ اردو کے پچاس مختلف المذاق نقادوں سے اگر یہ استفسار کیا جائے کہ عہدِ رواں کے سب سے بڑے دس شعرا کون ہیں؟ تو ہر ایک کے جواب میں پنڈت میلارام صاحب وفا کا نام ضرور شامل ہوگا۔ ان کا کلام بیشتر محاسنِ شعری کا حامل ہے اور جملہ عیوب سے پاک اور اس میں ہر سخن مشتاق و سخن فہم کے ذوقِ سخن کی تسکین کا سامان بافراط موجود ہے۔ اِن کی کم سے کم تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ صفِ اوّل کے شعرا میں یہ بہتوں سے آگے ہیں، اور کسی سے پیچھے نہیں۔

دو تین سال ہوئے ہندوستان کے نامور ادیب اور میرے محترم بزرگ شمس العلماء بلیغ المملکت علّامہ تاجور نے جو مجھ سے بیٹوں کی طرح محبت کرتے ہیں اپنے ماہنامہ شاہکار میں ان کے خلاف ایک نہائت زہریلا مضمون لکھا تھا۔ لیکن مخالفت کے جوش میں بھی وہ

ان کی ادبی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے مضامین نثر کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ یہ برفانی الفاظ میں آگ بھر دیتے ہیں اور ان کی نظم کا درجہ نثر سے بھی بہت بلند ہے ؛

اس مختصر سے دیباچے میں کلامِ وفا پر تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ چند الفاظ میں اتنا کہہ سکتا ہوں، کہ زبان کی صفائی، بیان کی روانی، محاورہ کی برجستگی اور تراکیب کی ندرت وچستی کے اعتبار سے کلامِ وفا اپنا جواب آپ ہے۔ اس میں تعقید نام کو نہیں ہوتی۔ دیکھنا ہے کی بجائے "ہے دیکھتا" یا کرتا ہے کی بجائے "ہے کرتا" ان کے ہاں آپ کو کہیں نظر نہ آئیگا۔ اکثر شعروں میں الفاظ کی ترتیب بالکل نثر کے مطابق ہوتی ہے جس سے اندازِ بیان میں اثر اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔ الفاظ کا انتخاب بھی نہایت موزون ہوتا ہے، اور استعمال بھی برابر محل۔ غیر مربوط اشعار ان کے کلام میں خال خال ہیں۔ غزلیات اور قطعات تو بلا استثنا مربوط ہیں۔ مثنوی کے اشعار اور مخمس یا مسدس کے بندوں میں بھی ردیف کا التزام تقریباً ہر جگہ نظر آتا ہے۔ یعنی اگر ایک مصرع کے اخیر میں آزادی وطن آیا ہے، تو دوسرے مصرع کو نظارۂ چمن سے پورا کر کے پیچھا نہیں چھڑایا گیا بلکہ شادیٔ وطن یا آبادیٔ وطن سے مزین کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام شگفتہ اور مترنم ہے "

متروکات سے احتراز ان کے کلام کا خصوصی طرۂ امتیاز ہے۔ تلک بمعنی تک پہ بمعنی لیکن اور دوسرے تمام الفاظ جو متاخرین نے ترک کر دئے ہیں۔ یہ بھی استعمال نہیں کرتے۔ لیک۔ ولیکن۔ وے وغیرہ ان کے نزدیک صرف لغت کی کتابوں میں جگہ پانے کے قابل ہیں۔ کہ آنیوالی نسلوں کو اگلے وقتوں کے مصنفین کی زبان

سمجھنے میں مدد مل سکے۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے متروکات بھی ہیں۔ مثلاً گر بجائے اگر۔ گرچہ بجائے اگرچہ۔ نہیں ہے بجائے نہیں۔ زاہدا بجائے اے زاہد۔ وغیرہ وغیرہ۔ لفظ اور ان کے کلام میں ابتدا ہی سے بروزن غور استعمال ہوا ہے۔ تاہم دو چار جگہ بروزن اُر بھی آیا ہے۔ مثلاً ؎

تھی یہ نفرت دہشت آمیز اور تھا مطلب اس کا یہ
حادثہ ہے ایک اور جانکاہ رونا حُسن کا

اس کے علاوہ ایک دو اور مصرعوں میں بھی ایسا ہو گیا ہے لیکن یہ چند مستثنیات اسی قسم کے ہیں جن سے کسی قاعدہ کا ثبوت بہم پہنچتا ہوتا ہے۔ پھر موجودہ زمانہ کے اکثر استاد اسے بروزن اُر بھی عمومیت سے باندھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان پابندیوں کے ساتھ شعر کہنا سخت مشکل ہے۔ مگر یہ ان کو قسم کی طرح نباہتے ہیں۔ دنیوی امور میں ظاہری پابندیوں سے بے نیازی ان کی طبیعت ثانی بن چکی ہے۔ بازاروں میں دُور دُور تک ننگے سر چلے جانا ان کا روز کا معمول ہے۔ انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں ہوتی کہ قمیص کے بٹن کھلے ہیں یا بالکل ہی ندارد ہیں۔ جوتا بھی مرمّت طلب ہے تو بلا سے۔ کسی سے ملنے جانا ہو، مگر تنباکو نوشی سے سیری نہ ہوئی ہو تو حقے کو بھی راستے کا ساتھی بنا لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ نہ خود موقع و محل کے مطابق مناسب لباس میں رہتے ہیں۔ نہ دوسروں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے ظاہری لباس سے کرتے ہیں۔ لیکن اس کے عین برعکس شعر کے معاملہ میں ان کی نظر سب سے پہلے ظاہری لباس پر جاتی ہے۔ شعر اصول فن پر تو پورا اترتا ہے۔ قواعد زبان کی خلاف ورزی تو نہیں ہوئی۔ انداز بیان میں روانی ہے۔ الفاظ کی نشست تو ترنم آفریں ہے۔ ان سب باتوں کا اندازہ انہیں شعر ختم

ہونے سے پہلے پہلے ہو جاتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ باطنی لحاظ سے شعر کتنا ہی بلند ہو۔ اگر ظاہری خوبیوں سے آراستہ نہیں، تو نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا کلام فقط محاسنِ صوری کا آئینہ دار ہے اور حسنِ معنوی سے عاری۔ حقیقت یہ ہے کہ معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بھی ان کے کلام کا پایہ بہت بلند ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں ؎

بہ کثرت سیر کی ہے ہر روشِ گلزارِ عالم کی
یہاں رنگِ محبت ہے بہت، بوئے وفا کم ہے

نمائشی محبت کے طوفان میں خلوص و وفا کے فقدان کی کتنی صحیح تصویر ہے! اہلِ زمانہ کی منافقت کو اس سے زیادہ پُر سوز اور مؤثر پیرایہ میں بیان کرنا ممکن نہیں ؎

خدا کے نام پہ دشت و گر یہاں ہیں خدا والے
بہت ہے جس قدر ذکرِ خدا، خوفِ خدا کم ہے

مذہبی سرغنوں کی وجہ بھی بتا دی گئی ہے اور اشارۃً اس کا علاج بھی تجویز کر دیا گیا ہے ؎

بس اب میں رات دن کی یہ اذیت سہ نہیں سکتا
کہ سب کچھ دیکھتا ہوں اور کچھ بھی کہہ نہیں سکتا

جتنی کوفت ایک بھوکے کو اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھے ہوں۔ مگر ان میں سے ایک لقمہ تک اٹھانے کی اجازت اسے نہ ہو۔ اس سے کہیں زیادہ اذیت میں وہ شخص مبتلا ہوتا ہے جس کی آنکھیں ظلم و ستم کی گرم بازاری دیکھ رہی ہوں مگر زبان پر حکمِ امتناعی کا تالا پڑا ہوا ہو۔ یہ شعر نہیں، محبانِ وطن کی مجبوریوں کا سچا فوٹو ہے۔

ایک مجسمۂ حُسن کو شوہر کی نعش پہ گریہ وزاری کرتے دیکھ کر لکھا ہے ؎

حادثہ ہے ایک اور جانکاہ رونا حُسن کا
کس کی آنکھیں ہیں کہ دیکھے جان کھونا حُسن کا
حُسن دُنیا میں نہیں صدمے اٹھانے کے لئے
حُسن دُنیا میں نہیں آنسو بہانے کے لئے

پھر اس مجسمۂ حُسن کی زبان سے جو نوحہ کرایا ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا ہے ؎

تم تو کہتے تھے کہ تیرا ہُوں میں ہرجائی نہیں
پھر مرے ہوتے ہم آغوشِ قضا کیوں ہو گئے

کتنا سنگین الزام ہے اور کس قدر دردناک! ایک شوہر پرست خاتون کے جذبۂ رقابت کا اظہار کرنے کے لئے شوہر کے مرجانے کو "ہم آغوشِ قضا" ہو جانے سے تعبیر کرنا شاعری نہیں سحرکاری ہے۔ کون ستونتی یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کوئی اور حسینہ اس کے پران پتی کو ورغلائے چہ جائیکہ ورغلانے والی ہستی قضا ہو جس سے شوہر کو واپس لینا ناممکن ہو اور ناممکن محض؛

ایسے پُرمعنی اور اثر انگیز اشعار اگر کوئی چار پانچ کی تعداد میں بھی کرلے۔ تو اس کا نام رہتی دنیا تک زندہ رہے۔ لیکن کلامِ وفا میں ایسے اشعار درجنوں نہیں سینکڑوں ہیں؛

والد ماجد کو شعر کہنے کا شوق لڑکپن سے ہے۔ اُس زمانے میں بھی یہ بہت اچھا کہتے تھے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ؎

بھلا جس بزم میں غیروں کی کھچڑی پکتی رہتی ہو
وہاں کب اے دلِ ناداں ہماری دال گلتی ہے

آخر نگاہ یار ندامت سے جھک گئی
ثابت نہ کر سکے وہ نشانِ قدم غلط

ہمیشہ سے رہی ہے ناموافق — زمانے کی ہوا نے مار ڈالا
سکوں انجام ہو جاتا ہے بڑھنا بیقراری کا — علاج بیقراری انتہائے بیقراری ہے
آدمی کام آ ہی جاتا ہے — ہم سے کیجے نہ اجتناب بہت
لیجئے چل کے کچھ وفا سے صلاح — اس نے دیکھے ہیں انقلاب بہت
پوچھیں وہ کاش حال دلِ بیقرار کا — ہم بھی کہیں کہ شکر ہے پروردگار کا

لیکن کلام کو محفوظ رکھنے پر ان کی توجہ کبھی مبذول نہیں ہوئی۔ انہوں نے نظمیں بہت لکھی ہیں جو سب کی سب ملک کے مقتدر اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اپنی نظموں والے پرچے بھی سنبھال کر نہیں رکھے۔ اب وہ اخبار اور رسالے ہی نہ رہے۔ تو نظمیں کہاں سے ملیں۔ بہرحال بڑی تگ و دو اور کئی ماہ کی جستجو کے بعد جو کچھ ہاتھ لگا ہے۔ اس میں سے سیاسی نظموں کو کتابی صورت میں ترتیب دے کر سوزِ وطن کے نام سے پیش کر رہا ہوں کہ قدردانوں کے ہاتھوں میں جا کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔

معزز ناظرین کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ والد ماجد جہاں ایک بلند پایہ شاعر ہیں۔ وہاں ایک مستقل مزاج محبِ وطن بھی ہیں اور حب وطن کی پاداش میں انہوں نے نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں اٹھائی ہیں۔ بلکہ دنیوی حیثیت سے بھی قابلِ ذکر قربانیاں کی ہیں انہیں وقتاً فوقتاً پنجاب کے مقتدر اردو روزناموں کی ادارت کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا ہے۔ ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کی پالیسی ہمیشہ کانگرس کی حمایت رہی ہے۔ اس معاملہ میں جب کبھی مالکانِ اخبار سے ان کا اختلاف ہوا۔ یہ فوراً مستعفی ہو گئے۔ ان کو بڑے بڑے لالچ بھی دئے گئے۔ مگر یہ اپنی پالیسی سے کبھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئے۔ اخباری زندگی میں زمانہ سازی ان کے نزدیک بدترین قسم کی وطن فروشی ہے۔ گنگا گئے تو گنگا داس

اور جہنا گئے تو جہنا داس بلکہ اپنا مطلب سدھ کرنا ان کے دائرۂ اصول سے باہر ہے چنانچہ کسی غیر کانگریسی اخبار کا ایڈیٹر بننا انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا۔ اس خودداری اور اصول پرستی کے باعث یہ مالی حیثیت سے ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں اور قدرتی طور پر اس نقصان کی براہ راست زد مجھ پر پڑتی ہے۔ مگر مجھے اس کا رتی بھر افسوس نہیں بلکہ الٹا فخر ہے۔ کیا ایک ایسے باپ کا بیٹا ہونا کچھ کم فخر کی بات ہے جس کے سیاسی ایمان میں کبھی لغزش نہیں آئی اور جس کا پائے استقلال رستے کی دشواریوں اور ناہمواریوں کے باوجود کبھی نہیں ڈگمگایا؟ ایسے قربانی مجسم محب وطن کے قلم سے نکلی ہوئی نظموں میں جو سوز و گداز اور درد و اثر ہو سکتا ہے، وہ محتاج تشریح نہیں۔ درحقیقت یہ نظمیں اُن صدموں کا نتیجہ ہیں جو وطن کی حالت زار دیکھ کر مصنف کے دل پر گذرے ہیں۔ یہ درد و غم کے آنسو ہیں جو مادرِ وطن کی تباہ حالی پر بہائے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نظمیں عام سیاسی نظموں کے مقابلہ میں بہت ممتاز ہیں۔ یہ درد سے معمور دل کے جگر خراش نالے ہیں اور سننے والوں کے دل میں وطن کا درد پیدا کرنے کے لئے مقصود ہ

سورج پرکاش نقاد

مسٹر دین دیال بھاٹیہ ایڈیٹر ہفتہ وار اخبار "چیترا" لاہور نے گیلانی پریس لاہور ہسپتال روڈ سے چھپوا کر شائع کی ٭

اشارات

سوزِ وطن میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں جن کا تعلق عہدِ رواں کے تاریخی واقعات سے ہے۔ اس لئے ذیل میں چند اشارات حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔ تاکہ مطالب سمجھنے میں آسانی ہو۔

صفحہ	مضمون
۴۲	**پیکِ صبا**:- پیک کے معنی ہیں قاصد۔ جس طرح سنسکرت کی مشہور نظم میگھ دوت میں بادل کو قاصد تصور کرکے اس سے معشوق کا حال دریافت کیا گیا ہے، اور معشوق کے نام پیغام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس نظم میں صبا یعنی ہوائے صبحگاہی کو قاصد فرض کرکے اس سے ممالکِ غیر میں رہنے والے ہندوستانیوں کا حال پوچھا گیا ہے اور ان کی مصیبتوں اور پریشانیوں پر رنج و تاسف کے آنسو بہاتے ہوئے ان کو یہ پیغامِ امید بھیجا گیا ہے کہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے پر تمہاری مصیبتیں بھی ختم ہو جائینگی۔ اور ممالکِ غیر کی حکومتوں نے تم پر جو ذلت آمیز پابندیاں لگا رکھی ہیں ان کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔
۵۷	**فاتحِ باردولی**:- ۱۹۲۸ء میں سردار پٹیل کی زیرِ رہنمائی باردولی کے کسانوں نے زمین کی مالگذاری ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حکومت کسانوں کو سبق سکھانے پر کمربستہ ہو گئی تھی۔
۵۸	**بھوک ہڑتال**:- ۱۹۲۹ء کی دوسری سہ ماہی میں سردار بھگت سنگھ، مسٹر دت اور بہت سے دوسرے نوجوانوں کو باغیانہ سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ دورانِ مقدمہ میں انہوں نے جیل کے اندر اس مطالبہ کی بنا پر بھوک ہڑتال

کردی کہ جیل خانوں میں یورپین اور ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔

۵۹ **داس کی موت**۔ مقدمہ سازش کے ملزموں میں ایک بنگالی نوجوان مسٹر جتندر ناتھ داس تھے۔ جو بھوک ہڑتال سے جاں بحق ہو گئے۔

۶۰ **اعلانِ آزادی**۔ ۱۹۲۸ء میں کانگرس نے ہندوستان کے کم از کم مطالبات مرتب کرنے کے لئے نہرو کمیٹی مقرر کی۔ جس کے صدر آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو تھے۔ نہرو کمیٹی کی رپورٹ میں قرار دیا گیا کہ ہندوستان کو جلد از جلد درجہ نو آبادیات ملنا چاہیئے۔ اگرچہ کانگرس کا انتہا پسند طبقہ مکمل آزادی کا حامی تھا۔ لیکن بڑی ردوکد کے بعد آخر اس بات پر آپس میں سمجھوتہ ہو گیا کہ اگر برطانیہ ایک سال کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کرے۔ تو مکمل آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ ۱۹۲۸ء کے اجلاس کانگرس پر پیش کیا گیا اور ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء اس کے جواب کی آخری تاریخ مقرر کی گئی۔ چنانچہ لاہور میں ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو اجلاس کانگرس ختم ہونے پر اس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے بارہ بجے رات کے عین بعد ملک بھر کے نمائندوں کی موجودگی میں دریائے راوی کے کنارے مکمل آزادی کا اعلان کیا اور نہرو رپورٹ کو دریا برد کر دیا گیا۔

۶۵ **شاہ امان اللہ کا زوال**۔ **روشن خیال تاجدار تسخیر کابل**۔ غازی امان اللہ بڑے آزاد منش اور روشن خیال تاجدار تھے۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے تخت پر بیٹھے۔

تاریخ افغانستان میں ان کا عہداس حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیگا کہ انہوں نے افغانستان کو مکمل طور پر انگریزوں سے آزاد کرالیا۔ اسکے بعد ملک میں بہت سی مجلسی اور تمدنی اصلاحات بھی کیں۔ تاکہ افغان قوم دنیا کی دوسری مہذب اقوام کی سطح پر آجائے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے یوروپ کے مختلف ممالک کی بھی سیاحت کی۔ لندن، پیرس، برلن، روم، ماسکو وہ جہاں بھی گئے ان کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ لیکن ان کی غیر حاضری میں ملّا لوگ رعایا کو ان کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ ملکہ ثریا کے فوٹو جن میں ملکہ کو ننگے منہ یورپین لباس میں دکھایا گیا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کئے گئے اور افغانوں کو بتایا گیا کہ غازی امان اللہ اسلام سے گر گئے ہیں اور ان کا عمل شرع کے خلاف ہے۔ چنانچہ جب غازی موصوف سیاحت یوروپ سے واپس آئے تو اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ملک میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ایک ڈاکو بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا اور غازی موصوف قندھار بھاگ گئے جہاں انہوں نے اپنی الگ بادشاہت قائم کر لی۔ مگر حالات نے یہاں بھی موافقت نہ کی اور وہ بھاگ کر کوئٹہ آ گئے انگریزی حکومت نے انہیں ہندوستان سے باہر پہنچا دیا۔ آخر وہ اٹلی کے دارالحکومت روم میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اٹلی کا ڈکٹیٹر مسولینی ان کا ذاتی دوست ہے۔

جب غازی امان اللہ قندھار میں قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ اسوقت تک جنرل نادر خاں پیرس سے جہاں وہ افغانستان کے سفیر تھے واپس آکر ہندوستان سے براہ پارہ چنار افغانی علاقہ میں داخل ہو چکے تھے اور گردیز میں چھاؤنی ڈالے پڑے تھے جب غازی امان اللہ قندھار سے بھاگ کر باپ دادا کے ملک کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ آئے

تو جنرل نادر خاں نے بچہ سقہ کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور دُنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جو بچہ سقہ غازی امان اللہ اور جنرل نادر خان کی متحدہ کوششوں کا مقابلہ کئی ماہ تک کرتا رہا۔ اسے اکیلے جنرل نادر خاں نے چند ہفتوں میں کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ بہر حال کابل فتح ہو گیا اور افغانستان میں خاندان نادری کی بنیاد پڑ گئی۔

۷۰ **بنگال کونسل کا انتخاب** ۔ ۱۹۲۹ء کی تیسری سہ ماہی میں بنگال کونسل کا سہ سالہ انتخاب ہوا۔ کانگریس نے اس انتخاب میں مسٹر سین گپتا کے زیر سرکردگی سرکار پرستوں کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ سر عبدالرحیم اور سر عبدالکریم سرکار پرستوں کے سرگروہ تھے۔ پنجاب سے مرحوم سر محمد شفیع ان کی امداد کو گئے مگر مسلمانوں کی بھی بہت سی نشستیں سرکار پرستوں کے ہاتھ سے نکل گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال میں وزارت کا قیام ناممکن ہو گیا اور یہی کانگریس کا مقصد تھا!

۷۷ **راز کی بات** ۔ ۱۹۳۳ء میں برطانیہ کے اربابِ بست وکشاد نے ہندوستان کے نام نہاد آئینی اصلاحات کا ڈھانچہ تیار کیا جو انگلستان اور ہندوستان میں بیک وقت وائٹ پیپر کی شکل میں شائع ہوا۔ ہندوستان اصلاحات کے اس ڈھانچہ سے مطمئن نہیں تھا۔ مگر انگلستان کے انتہا پسند ٹوری مسٹر چرچل کی سرکردگی میں جو آجکل برطانیہ کے وزیر اعظم ہیں۔ اس کے خلاف بھی شور مچا رہے تھے اور اس خطرہ کا اظہار کر رہے تھے کہ سلطنت برطانیہ تباہ و برباد ہو جائیگی۔ اس وقت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر بالڈون تھے۔

۸۰ **جیل سے رہا ہونیوالے** ۔ ۱۹۳۰ء میں والد ماجد ر عنا نامہ ویر بھارت کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بہ الزام بغاوت دو سال کیلئے قید کر دیئے گئے اور گجرات

سپیشل جیل میں بھیجے گئے۔ چند ماہ کے بعد دہلی کے چند سیاسی قیدی سزا کی میعاد ختم ہو جانے پر گجرات جیل سے جانے لگے۔ تو انہیں الوداع کہنے کے لئے جیل کے اندر ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ یہ اشعار اسی موقع پر فی البدیہہ کہے گئے

۸۲ ترکی بہ ترکی۔ یہ نظم ۱۹۲۰ء کی تصنیف ہے جب انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس امرتسر کے بعد پنجاب میں عالمگیر سیاسی بیداری پیدا ہو گئی تھی اور اس دہشت کے اثرات زائل ہو چکے تھے جو مارشل لا کے مظالم سے لوگوں کے دلوں پر طاری ہو گئی تھی اس نظم میں ایک یوروپین افسر اور ایک ہندوستانی میونسپل کمشنر کا فرضی مکالمہ دیا گیا ہے۔ اس میں یوروپین افسر کے منہ میں جو الفاظ ڈالے گئے ہیں۔ ان کا تلفظ ویسا ہی رکھا گیا ہے جیسا انگریزوں کا عام طور پر ہوتا ہے مثلاً کرتا ہے (کرتا ہے) گفلٹ (غفلت) گرور (غرور) ہام (ہم) کھبر (خبر) مافک (موافق) بات (بات) ٹیسیوں (دیسیوں یعنی ہندوستانیوں) ٹرکی (ترکی) ٹرکوں (ترکوں)۔

۸۵ فخر قوم بننے کا سہل نسخہ۔ چھوٹی عمر کی شادی کو سب برا سمجھتے ہیں اس کا انسداد کرنے کے لئے ۱۹۲۶ء میں اجمیر کے رائے بہادر ہربلاس شاردا نے سنٹرل اسمبلی میں ایک بل پیش کیا۔ جو شاردا بل کے نام سے مشہور ہوا اور اب شاردا ایکٹ کی شکل میں نافذ ہے۔ قدرتی طور پر اس بل کی عالمگیر حمایت ہوئی اور چونکہ حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے بڑے بڑے سرکار پرست اور مہا ٹوڈی بھی اس کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اسلئے وہ کسی تحریک میں حصہ لینے والوں کی گذشتہ سیہ کاریوں کو بھول جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹوڈی لوگ اس قسم کی تحریکوں میں شامل ہو کر کھویا ہوا نام پھر حاصل کر لیتے ہیں اور

اس طرح انہیں جو اثر و رسوخ نئے سرے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے وقت آنے پر سیاسی تحریکوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ یہ مزاحیہ نظم پبلک کو اسی خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے لکھی گئی تھی؛

٨٦ **فاقہ کشی کا جرم**۔ سردار بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں پر پولیس نے ایک مقدمہ بدیں الزام چلایا تھا کہ ان کا بھوک ہڑتال کرنا اقدامِ خودکشی ہے۔ اس پر اس وقت کے سشن جج لاہور مسٹر ٹپ نے ان کو مجرم قرار دیا تھا اور اس طرح فاقہ کشی کو جرم ٹھہرایا تھا؛

٨٧ **آئین کی درگت**۔ ۱۹۲۹ء میں سنٹرل اسمبلی کی میعاد ختم ہونیوالی تھی۔ مگر چونکہ ملک میں سیاسی بےچینی کا طوفان آرہا تھا۔ اس لئے وائسرائے نے اس میعاد میں اضافہ کر دیا۔ تاکہ قوم پرست زیادہ نشستوں پر قابض نہ ہوجائیں؛

٨٨ **ہندوستانیوں کی سادہ لوحی**۔ ۱۹۲۹ء میں جب لیبر پارٹی برطانیہ میں دوسری مرتبہ برسر حکومت آئی۔ تو ہندوستانیوں کے بعض حلقوں میں مری ہوئی امیدیں از سر نو زندہ ہوگئیں۔ لیکن جب ملک معظم کی تقریر میں ہندوستان کا ذکر تک نہ آیا۔ تو یہ امیدیں پھر مایوسی میں بدل گئیں اور شاہی تقریر پر یہ خوب نکتہ چینی ہوئی اس نظم میں بتایا گیا ہے کہ لیبر پارٹی والے بھی آخر انگریز ہیں۔ ان سے بہبودئی ہند کی توقع کرنا سادہ لوحی ہے؛

نقاد

Pt. MELA RAM "WAFA."

سوزِ وطن

خدا کے حضور میں

اے تیرا نام پاک وسیلہ نجات کا
جاری ہے تجھ سے سلسلہ موت و حیات کا
تجھ پر مدار نظم و نسق کائنات کا
مظہر نظامِ کون و مکاں تیری ذات کا
مجموعہ تیری ذات جمیع صفات کا

صدیوں سے پائمالِ ستم ہے دیارِ ہند

وقفِ غم و ملال ہیں لیل و نہارِ ہند
پہنچا ہے تا بہ حدِّ کمال انتشارِ ہند
وحشت فزا ہے تیرگیٔ روزگارِ ہند
دن پر گمان ہوتا ہے آنکھوں کو رات کا

کتنے ہی انقلاب تہِ آسماں ہوئے
مردودِ دہر جو تھے وہ فخرِ جہاں ہوئے
جو بے نشاں تھے صاحبِ نام و نشاں ہوئے
محکوم تھے جو ملک کبھی حکمراں ہوئے
ہندوستاں شکار رہا حادثات کا

مذہب نے ڈال دی ہے دلوں میں منافقت
معدوم ہو گئی ہے سرے سے موانست
از بس ہے پست ہندو و مسلم کی ذہنیت

احمق ہے نور بخش تو پاگل کمار دت
دشمن یہ کعبے کا، وہ عدو سومنات کا

مفقود اس چمن سے ہوائے عناد ہو
نابود سر نشانِ بنائے فساد ہو
فردوسِ گوش زمزمۂ اتحاد ہو
شیخ اور برہمن کو بہم اعتماد ہو
ملجائے آبِ گنگ میں پانی فرات کا

پیدا ہو کوئی صورتِ آبادئ وطن
گونجے فضا میں نغمۂ دلشادئ وطن
پھر رشکِ باغِ خلد ہو ہر وادئ وطن
پھر دیکھیں روئے شاہدِ آزادئ وطن
گوشہ ادھر بھی اک نگہِ التفات کا

عظمتِ وطن

وہ جاں بخشی ہے اے باغِ وطن تیری بہاروں میں
نظر آتی نہیں رشکِ زمیں کے لالہ زاروں میں

ازل سے ہے لقب گہوارۂ شائستگی تیرا
رہی ہے کھیلتی تہذیب تیرے مرغزاروں میں

وہ نغمے مدتوں سے ہیں گنواروں کی زبانوں پہ
جو خوابیدہ ہیں سازِ منطقِ مغرب کے تاروں میں

ہر اک ذرّہ ترا معمورۂ نورِ تقدّس ہے
کروڑوں مہرِ عالمتاب ہیں تیرے غباروں میں

تیرے گردوں کی شانِ دلفریبی اور ہی کچھ ہے
وگرنہ روشنی موجود ہے ہر جا ستاروں میں

حُبِّ وطن

لندن میں جا کے مغربی تعلیم پاؤں میں
پیرس میں رہ کے لطفِ امارت اُٹھاؤں میں
جنگاہ میں کمالِ شجاعت دکھاؤں میں
دیوانہ بن کے خاکِ بیاباں اُڑاؤں میں
دامانِ کوہسار میں ڈیرہ جماؤں میں
یا وادیوں میں جیسن کی بنسی بجاؤں میں
کعبے کا رُخ کروں کہ سُوئے دیر جاؤں میں
دوزخ میں ہو مقام کہ جنّت بساؤں میں

سائے کی طرح حُبِّ وطن ساتھ جائیگی
جاؤں گا میں جہاں یہ لگن ساتھ جائیگی

ہندوستاں ہمارا

سارے جہاں سے پیارا ہندوستاں ہمارا
دلکش ہے اور دل آرا ہندوستاں ہمارا
سرسبز پربتوں سے، شاداب وادیوں سے
جنّت نشاں ہے سارا ہندوستاں ہمارا
سب سے جو خوشنما ہے، وہ مُلک کونسا ہے؟
سب پر ہے آشکارا ہندوستاں، ہمارا
مرنے کو اس کی خاطر تیار ہوں نہ کیوں ہم
جینے کا ہے سہارا، ہندوستاں ہمارا
برطانیوں سے کہہ دو اغیار کی غلامی
کرتا نہیں گوارا ہندوستاں ہمارا

برطانیہ کے تم ہو، ہندوستاں کے ہم ہیں

برطانیہ تمہارا، ہندوستاں ہمارا

برطانیہ تمہارا، ہندوستاں ہمارا

سونپو ہمیں خدارا، ہندوستاں ہمارا

ہندوستاں ہمارا، ہندوستاں ہمارا

جنگِ آزادی کا بگل

خوابِ غفلت سے اُٹھو اے ہند یو بیدار ہو

پڑ رہے ہو کس لئے بیکار، گرم کار رہو

جنگِ آزادی کا بجتا ہے بگل ہشیار ہو

وقت مرنے کا ہے، مرنے کے لئے تیار ہو

ہاں کفن بر سر شریکِ لشکرِ احرار ہو

آزادیٔ وطن

شیدا ہوں تیرا شاہدِ آزادیٔ وطن
ہاں مضطرب ہوں تیرے لئے، تو کدھر ہے آج

محبوبِ دل ہے تیرا جمال جہاں فروز
تیرا حصول ہی مجھے مدِّ نظر ہے آج

سوہانِ روح اور خلش آفرینِ دل!
تیرے بغیر منظرِ گلہائے تر ہے آج

تیرے بغیر فرق کل اور آج میں ہے یہ
کل جو سکونِ دل تھا وہ دورانِ سر ہے آج

کل تیرے ہونے سے تھا میں دنیا میں سربلند
تیرے بغیر آہ! نگوں میرا سر ہے آج

یا شرمسار کل تھی مری شام سے سحر
یا شرمسار شام سے میری سحر ہے آج
مرنا ترے وصال میں دشوار تھا جو کل
جینا ترے فراق میں دشوار تر ہے آج

رام راج کی یاد

اے رام! ہم ہیں دل سے ترے نام پہ نثار
کرتے ہیں نذر جان بھی، دل بھی خراج میں
آتی ہے ان سے یاد ہمیں تیرے راج کی
دیکھی ہیں جو خرابیاں موجودہ راج میں
ہوتی نہیں نصیب فراغت ہمیں کبھی
غلطاں جو رات دن بھی رہیں کام کاج میں

مقروض اُسی طرح ہیں ولائت کے آجتک
ہم مُول سے بھی دے کے زیادہ بیاج میں

حاصل ہماری کشتِ عمل کا ہے جو فقط
حِصّہ ہمارا کم ہے بہت اُس اناج میں

اوّل تو اس طرح ہیں حکومت کے کان بند
درغواستوں میں ہے نہ اثر احتجاج میں

فریاد اگر ہماری کبھی اُس نے سُن بھی لی!
سُنتے ہی آگیا خلل اُسکے مزاج میں

رشوت کے بر خلاف بہت شور ہے مگر
عزت ہے راشیوں کی فزوں تر سماج میں

تیرے سوا مرض ہے غلامی کا لاعلاج
اپنی طرف سے فرق نہیں گو علاج میں

سب سے بڑی نعمت

سوچ میں بیٹھا ہُوا تھا کل قریبِ شام میں
کر رہا تھا شکوۂ بے مہریٔ ایّام میں
اُڑتی اس عالم میں اک چڑیا نظر آئی مجھے
دل سے اس کے اُڑنے پھرنے کی ادا بھائی مجھے
کرتی پھرتی تھی تلاشِ آب و دانہ چار سُو
اُڑتی پھرتی تھی اسی کی جُستجو میں کُو بہ کُو
اُڑتی پھرتی تھی ہوا میں وہ عجب انداز سے
شانِ آزادی عیاں تھی شوخیٔ پرواز سے
پر فشاں گاہے اِدھر گاہے اُدھر جاتی تھی وہ
پاس سے ہر مرتبہ میرے گذر جاتی تھی وہ

آن بیٹھی اس طرح آخر یکایک میرے پاس
رنج ناکامی سے ہو جیسے کسی کا جی اُداس
میں نے پوچھا اُس سے تو افسردہ دل ہے کس لئے؟
ایسی غمگیں اور اتنی مضمحل ہے کس لئے؟
میرے پاس آجا تیری صورت مجھے مرغوب ہے!
میں بہم کر دوں گا جو کچھ بھی تجھے مطلوب ہے
دلکشا پنجرہ ترے رہنے کو بنواؤں گا میں
تجھ کو جتنی نعمتیں درکار ہیں لاؤں گا میں
چوگا اپنے ہاتھ سے شام و سحر دُونگا تجھے
فکر آب و دانہ سے آزاد کر دونگا تجھے
کہہ کے یہ میں نے بڑھایا ہاتھ جب اسکی طرف
اُڑ گئی جھٹ دیکھ کر نفرت سے وہ میری طرف

تھی یہ نفرت دہشت آمیز اور تھا مطلب اسکا یہ
ہیچ ہیں سب نعمتیں حاصل جب آزادی نہیں

صدر کانگریس کا خیر مقدم

زمانہ قائل اے راجن تری قربانیوں کا ہے
مچی ہے دھوم عالم میں ترے ایثارِ پیہم کی
انہیں دعوت عمل کی دے رہی ہے زندگی تیری
جو کہتے ہیں کہ ہے یہ زندگی فرصت کوئی دم کی
تو وہ سالارِ اعظم ہے کہ عزت تیرے ہاتھوں ہیں
ہر اک پہلو سے ہے محفوظ آزادی کے پرچم کی
شمار ان چند اونچی ہستیوں میں آج تیرا ہے
قیامت تک کریگی فخر جن پر نسل آدم کی

بہار و کوئٹہ تو خیر اک وقتی مصیبت ہے
تجھے ہے فکر ہر دم قوم کے احوالِ برہم کی
امیدیں آج وابستہ ہیں ملک و قوم کی تجھ سے
تجھی پہ لگ رہی ہیں آج آنکھیں ایک عالم کی
بھلا نازاں نہ ہوں کیوں آج ہم اپنے مقدر پہ
کہ عزّت ہم نے پائی آج تیرے خیر مقدم کی

بھارت ماتا زنجیروں میں

اگر اے ہندیو! باقی ذرا بھی تم میں غیرت ہے
اٹھو اور اُٹھ کے کاٹو مادرِ بھارت کی زنجیریں
تمہارے ساتھ حق ہے اور حق میں اتنی طاقت ہے
کہ جس سے کند ہو جاتی ہیں سفاکوں کی شمشیریں

بے وطن ہندوستانی کا گیت

جان اور دل سے پیارا ہندوستاں ہمارا
معبود ہے ہمارا ہندوستاں ہمارا

اک پیکر فغاں ہے، بے بس ہے، بے زباں ہے
جور و ستم کا مارا ہندوستاں ہمارا

آزار جاں ہوئی ہے اس کے لئے غلامی
ہے جاں بلب بچارا ہندوستاں ہمارا

اس سلطنت سے جس میں حالت ہے غیر اسکی
کر لے کہیں کنارا ہندوستاں ہمارا

ہم کس لئے جہاں میں اتنے ذلیل ہوتے
ہوتا اگر ہمارا ہندوستاں ہمارا

غدّارِ وطن کا خواب

قیامت ہیں جہنّم کے یہ ہیبت ناک نظارے
نظر آتے ہیں دن کے وقت جنکو دیکھکر تارے

مصیبت سی مصیبت ہے؟ کہاں جاؤں! کدھر جاؤں!!
اِدھر تیزاب کے دریا، اُدھر لاوا کے فوّارے

سراپا مضطرب ہیں میرا استقبال کرنے کو
کہیں جلتے ہوئے پتھر، کہیں چلتے ہوئے آرے

بھیانک کسقدر ہے اُف اثر میرے گناہونکی
کلیجہ بیٹھتا جاتا ہے میرا خوف کے مارے

کبھی مذہب کے پردے میں نہ مکاری کرونگا میں
مری توبہ وطن سے اب نہ غداری کرونگا میں

عدم تعاون کی کشتی

آج اس کی پختگی کی زمانے میں دھاک ہے
ہاں ہاں یہ کشتئ عدم اشتراک ہے

پانی پہ ریلتی چلی جاتی ہے رات دِن
لہروں سے کھیلتی چلی جاتی ہے رات دِن

اس میں سوار راہ نمایانِ قوم ہیں!
وابستہ جن کی ذات سے ارمانِ قوم ہیں

بحرِ سیاسیات کے عُمق آشنا ہیں یہ!
جن پر خدا کا ہاتھ ہے وہ ناخدا ہیں یہ!!

کشتی ہے کیا عجوبہ ہے اک روزگار کا
ہاتھ اس کی ساخت میں ہے کسی سحر کار کا

انکھوں کے واسطے ہے جگہ اسمیں ہر گھڑی
لے لے نئی سواریاں منجدھار میں کھڑی
کچھ اس میں پھیر کھانے کی حاجت نہیں اسے
ساحل کو واپس آنے کی حاجت نہیں اسے
ہر شخص نے یہ معجزہ دیکھا ہے بارہا
ساحل سے بھی جو کود پڑا اس میں جا رہا
طوفان میں چٹان کی مانند ڈٹ گئی
طوفان ختم گیا، تو مقابل سے ہٹ گئی
اک بات اس میں اور بھی ہے لطف خیز یہ
جتنی بھری ہو چلتی ہے اتنی ہی تیز یہ
چاہو اگر کہ بحرِ غلامی سے پار ہو
تاخیر کے بغیر سب اس میں سوار ہو"

تصویرِ مستقبل

اُٹھو اے نوجوانو! اُٹھ کے ہمت کی کمر باندھو
غضب ہے تم کو وقفِ یاس وحرماں دیکھتا ہوں میں

دکھاتا ہوں تمہیں وہ صورت الفاظ میں ساری
جو مستقبل کی تصویریں نمایاں دیکھتا ہوں میں

بجائے شامِ غم معمورۂ آفاق میں ہر سُو
بہارِ جلوہ ہائے صبحِ خنداں دیکھتا ہوں میں

شگفتہ ہیں گُلِ امید خارستانِ عُسرت میں
گلستاں سے مبدّل ہر بیاباں دیکھتا ہوں میں

دکھائی دے رہے ہیں دیکھتی آنکھوں کو ہر جانب
بکثرت جشنِ آزادی کے ساماں دیکھتا ہوں میں

جو آجلتے ہیں لب پر شدّتِ دردِ غلامی سے
وہ نالے آج زیبِ طاقِ نسیاں دیکھتا ہوں میں

یہ ناممکن کو خوشحالی نے ممکن کر دکھایا ہے
جو ہندو کو ہم آغوشِ مسلماں دیکھتا ہوں میں

وہ دریا جن کے پانی سال بھر یخ بستہ رہتے ہیں
اب ان میں مضطرب آثارِ طوفاں دیکھتا ہوں میں

نشے سے ہمّتِ عالی کے آنکھیں لال ہیں ان کی
قدیمی بزدلوں کو مردِ میداں دیکھتا ہوں میں

شکستِ فاش کھا کر رن میں افواجِ صداقت سے
تشدّد کے عساکر کو گریزاں دیکھتا ہوں میں

ہوئی ہے ان پہ طاری اسقدر انصاف کی دہشت
ستم کے بانیوں کو خس بدنداں دیکھتا ہوں میں

مزا آتا ہے جن کو بیکسوں پر ظلم ڈھانے میں
مآلِ ظلم سے اِن کو ہراساں دیکھتا ہوں میں

دبا رکھا ہے مزدوروں کو جن سرمایہ داروں نے
انہیں اپنی رعونت پر پشیماں دیکھتا ہوں میں

نشہ شام و سحر جس پر زمینداری کا طاری ہے
اسے خدمتگذارِ ابنِ دہقاں دیکھتا ہوں میں

ہے وقفِ اغراضِ شخصی کیلئے فرزانگی جس کی
اسے دیوانگی سے سینہ کوباں دیکھتا ہوں میں

سزا پائی ہے غداری کی ہر غدار نے آخر
کہ ہر غدار کو محبوسِ زنداں دیکھتا ہوں میں

حقیقت عنقریب آجائیگی اب سامنے ان کے
جو سمجھے ہیں کہ اک خوابِ پریشاں دیکھتا ہوں میں

کانگرس والنٹیر سے

مونس ہو بیکسوں کا، غریبوں کا یار ہو
خدمت کے کارزار میں سرگرم کار ہو!

دیکھے کسی کو درد و الم سے جو بے قرار
کافور تیرے دل سے شکیب و قرار ہو

سب کام چھوڑ چھاڑ کے امداد اسکی کر
امداد کا جو تجھ سے کوئی خواستگار ہو

یہ شان ہو تری کہ تو موجود ہو جہاں
کوئی نہ شاکئے ستم روزگار ہو

یکساں ہمیشہ دوست و دشمن کے واسطے
دریائے فیض صورت ابر بہار ہو

انداز میں ترے نہ درشتی کی ہو جھلک
شیوہ ہو تیرا حلم، اصول انکسار ہو

دل خوب سوچ لے تو پھر آئے زباں پہ بات
اتنا دل و زباں پہ تجھے اختیار ہو

اہلِ زمانہ کے لئے تیرا چلن مدام
خلق و خلوص و ضبط کا آموزگار ہو

جو تیرے گئے جہل میں گم کردہ راہ ہیں
ان کے لئے چراغِ سرِ رہگزار ہو

اس درجہ تو نڈر ہو کہ وقتِ ادائے فرض
بیمِ تفنگ ہو نہ تجھے خوفِ دار ہو

ہاں تیرے ہاتھ میں جو علم حریت کا ہے
ظالم کے سامنے نہ نگوں نہ نہار ہو

پیکِ صبا

آتا ہے تو گذر کر اونچی پہاڑیوں سے
گہرے سمندروں سے پُرپیچ کھاڑیوں سے
چلتا ہے لہلہاتی پھلواڑیوں سے ہو کر
گاتا ہُوا اچھلتا ہے جھاڑیوں سے ہو کر
آتا ہے سب کو دیتا پیغام شادمانی
آنے سے تیرے آئی ہر شے میں زندگانی
سبزے نے کروٹیں لیں وحش و طیور جاگے
ہاں گرد و پیش جاگے، نزدیک و دُور جاگے
عنبر میں بس کے خاکِ ہر رہگزار جاگی
عالم ہُوا بہاریں گویا بہار جاگی

کہسار جاگ اُٹھے، گلزار جاگ اُٹھے
سنسان جنگلوں میں اشجار جاگ اُٹھے
نرگس نے آنکھ کھولی نظّارۂ چمن کو
یادِ وطن نے چھیڑا آوارۂ وطن کو
مستانہ وار آنکھیں ملتا کسان اُٹھا
بوڑھا نئے سرے سے بنکر جوان اُٹھا
بہنے لگے ہیں دریا اپنی روانیوں میں
جُنبش ہوئی ہے پیدا یخ بستہ پانیوں میں
راتوں کو چلنے والے منزل بدل رہے ہیں
پیچھے جو رہ گئے ہیں وہ اب بھی چل رہے ہیں
آ آ! کہ اے دیارِ محبوب کے پیامی
آرامِ جاں ہے تیرا اندازِ خوش خرامی

ناکامِ آرزوئے دیدارِ یار کے ہیں
اُن کے لئے قیامت یہ دن بہار کے ہیں

کاٹی ہے رات جوں توں اختر شماریوں میں
کچھ بیقراریوں میں، کچھ اشکباریوں میں

یہ غم نصیب دل سے رکھتے ہیں چاہ تیری
کام اِن کا شام ہی سے تکنا ہے راہ تیری

آ منتظر ہوں میں بھی اے دوستدار تیرا
مجھکو بھی نصفِ شب سے ہے انتظار تیرا

میری بھی آہ ساری شب جاگتے کٹی ہے
ہاں وادیٔ تصور میں بھاگتے کٹی ہے

پردیس میں جو میرے اہلِ وطن پڑے ہیں
فرقت میں اُن کی دل پہ داغِ محن پڑے ہیں

لایا ہے کوئی اُن سے پیغام تو سنا دے
کوئی نہیں تو اُن کا کیا حال ہے بتا دے
ہاں ہاں مجھے بتا دے تو اُن کا حال کیا ہے؟
ہندوستاں کی بابت اُن کا خیال کیا ہے؟
کچھ یاد ہیں کرشنا گوداوری کی لہریں؟
یا بھا گئیں مسوری[۵] مس سسپی کی لہریں
آبِ وطن کی اب بھی تاثیر مانتے ہیں؟
خاکِ وطن کو اب بھی اکسیر جانتے ہیں؟
کہنا تمہاری حالت روشن ہے ہم پہ ساری
جاری تمہاری خاطر ہیں کوششیں ہماری
عائد زمین و زر کی پابندیاں ہیں تم پہ
یعنی جہان بھر کی پابندیاں ہیں تم پہ

[۵] مسوری اور مس سسپی امریکہ کے دو دریا ہیں۔

دربند ہے اماں کا تم پہ جہان بھر میں
انسان ہی نہیں تم قانون کی نظر میں
ذِلّت نصیب تم ہو، آفت نصیب تم ہو
آفت نصیب تم ہو عُسرت نصیب تم ہو
عُسرت نصیب ہو تم غم کا شکار ہو تم
بیگانۂ مسرّت لیل و نہار ہو تم!
بھولی نہیں تمہاری یہ دُکھ بھری کہانی
ہے یاد ہم کو ساری یہ دُکھ بھری کہانی
آزادی اپنے گھر میں جس روز پائیں گے ہم
آزاد بندشوں سے تم کو کرائیں گے ہم
جبتک ہے زندگانی تب تک امید باقی
یہ ہے پیام میرا اور شوقِ دید باقی

بھارت ماتا کی فریاد

(بھگوان کرشن کے دربار میں)

نمایاں بحر و بر میں، خشک و تر میں تیرے جلوے ہیں
دیا ہے نور تو نے چاند، سورج اور تاروں کو
ترے پانے کو کرتے ہیں زمین و آسماں گردش
سکونِ قلب ملتا ہے تجھی سے بیقراروں کو
نظر آئی نہ جب آفاق میں امید کی صورت
تو ڈھارس دے گئی ہے تیری یاد آفت کے ماروں کو
معاونِ بیکسوں کا بے بسوں کا ہے سہارا تو
کہاں رکھتا ہے مظلوموں کی مظلومی گوارا تو
مجھے بھولا نہیں وہ منظرِ دربارِ دریودھن

درو دیوار سے جب ہر طرف حسرت ٹپکتی تھی
اُتارے جا رہے تھے دروپدی کے جسم سے بستر[57]
وہ دل ہی دل میں کڑھتی تھی مگر کچھ کر نہ سکتی تھی
اُٹھاتی تھی کبھی دستِ دعا گردوں کی جانب وہ
کبھی بھیم اور ارجن کی طرف حسرت سے تکتی تھی
کرم اُس وقت اُس بیکس کی حالت پر کیا تو نے
بھری محفل میں آخر اس کا پردہ رکھ لیا تو نے
مصیبت آپڑی ہے دروپدی کی طرح مجھ پر بھی!
رہینِ کلفت و رنج و غم و افکار میں بھی ہوں
مری عزت پہ بھی اہلِ جفا نے ہاتھ ڈالا ہے
اسیرِ پنجۂ اعدائے ناہنجار میں بھی ہوں
محافظ کوئی میرا بھی نہیں اب آہ دنیا میں

[57] بستر۔ کپڑے

بہت مجبور میں بھی ہوں، بہت ناچار میں بھی ہوں

مری فریاد بھی سن پیکرِ فریاد ہوں میں بھی

مری امداد بھی کہ طالبِ امداد ہوں میں بھی

وَاقعاتْ

لوکمانیہ تلک کی وفات

دل سے وداعِ صبر و شکیب و سکوں ہے آج
لب پر شکایتِ ستمِ چرخِ دوں سے آج
ایسا کیا ہے نشترِ غم نے جگر کا حال
ہر ایک موئے تن سے رواں جوئے خوں ہے آج
ہر گھر سے ہو رہی ہے صدائے فغاں بلند
ہر اہلِ ہند آہ! بحالِ زبوں ہے آج
مخدومِ ملک و قوم تلک آج مر گیا
ہندوستان کا شۂ بے تاج مر گیا
حکمت نہ کارگر ہوئی کوئی طبیب کی
خالی گئیں دعائیں امیر و غریب کی

صورت پذیر ہو کے رہا وہ مآلِ کار
دہشت تھی جس الم کے خیالِ مہیب کی

ڈھایا اب ایک اور ستم ہم پہ اے فلک
تُو نے ہمارے غم کی تلافی عجیب کی

کرنا پڑیگا شکر ہی پروردگار کا
اب کاٹنا ہے زندگئے ناگوار کا

قلبِ ضعیف و کاہشِ غم وامصیبتا
جانِ نحیف و کوہِ الم وامصیبتا

جس نے جگایا قوم کو خوابِ گراں سے وہ
ہے آج محوِ خوابِ عدم وامصیبتا

عمرِ دراز و صدمۂ مرگِ تلک دریغ
یہ حاصلِ اُمیدِ کرم وامصیبتا

آئین شناسِ حق طلبی ایک ہی تھا وہ
جس نے کبھی نہ کی غلطی ایک ہی تھا وہ

وہ ایک تھا معاملہ دانِ مدبّری
دانندۂ رموزِ نہانِ مدبّری
ابن السبیلِ منزلِ تدبیر کیلئے
نقشِ قدم ہیں اس کے نشانِ مدبّری
اپنی طرف سے پیش کریں کس کو آج ہم
اترا رہے ہیں مدّعیانِ مدبّری

ایسا بشر ہو تیرِ اجل کا شکار حیف
افسوس اے زمانۂ ناسازگار حیف
آتا نہیں دل اب چمنِ روزگار پر
جاتی نہیں نگاہ گل و لالہ زار پر

اُس پر گرائیں چرخ نے وہ بجلیاں کہ بس
باندھا ہے آشیاں جو کسی شاخسار پر
اب دیکھ کر تلک کا طریقِ وفائے عہد
دل میں کسی کو دیں جگہ کس اعتبار پر
"ہنگامہ گرمِ ہستئ ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسّم شرار کا"

قطعۂ تاریخ

نام اُس سے ہند کا اونچا ہوا
واقعی تھا صاحبِ عظمت تلک
مصرعِ تاریخ لکھ دے اے وفاؔ
ہو گیا دنیا سے اب رخصت تلک

سنہ ۱۹۲۰ء

فاتحِ باردولی سردار پٹیل

قائل ہے ہر بشر ترے عزمِ صمیم کا
چرچا ہے ہر طرف تری فتحِ عظیم کا
روحانیت سے زورِ تشدّد کا توڑ کر
تازہ کیا ہے تو نے طریقہ قدیم کا
ہیں شیر دل کسان ترے واقعی جنہیں
دہلا سکا نہ خوف عذابِ الیم کا
دشمن کی دھمکیاں نہ ہوئیں تجھ پہ کارگر
تو نے سبق پڑھا ہی نہیں خوف و بیم کا
کیوں چومتی نہ منزلِ مقصود ترے پاؤں
آخر تو راہرو تھا رہِ مستقیم کا

ہوتا نہ کیوں وقارِ حکومت کا پاش پاش
تھا ہاتھ تیرے سر پہ خدائے کریم کا

بھوک ہڑتال کی وجہ

تیرے نیاز مند ہیں اے مادرِ وطن
کرتے ہیں تیری شانِ تقدّس پہ ناز ہم
جو تیرے خیر خواہ نہیں، ان کے سامنے
رگڑیں گے بھول کر نہ جبینِ نیاز ہم
کس طرح سر جھکائیں کہ حکّام سے نہیں
زنہار طالب نگہٗ دل نواز ہم
ہر چند جیل خانے میں ہیں ایک ماہ سے
فاقوں سے وقفِ کشمکشِ جانگداز ہم

ہندی پہ ناگوار ہے گورے کی فوقیت
پاتے نہیں دلیل سے جس کا جواز ہم
اب جی میں ٹھان لی ہے کہ دیدینگے اپنی جان
یا دُور کر کے چھوڑیں گے یہ امتیاز ہم

جا خدا کے پاس داس

دارِ فانی کی ہوا تجھ کو نہ آئی راس جا
عالمِ باقی کو اب تُو شوق سے اے داس جا
کام ہم ایسے گنہگاروں میں تیرا کچھ نہیں
تُو خدا کا نیک بندہ ہے خدا کے پاس جا
موت نے ایذا کشی کی تجھ کو دیدی ہے سند
امتحانِ عشق میں تُو ہو چکا ہے پاس جا

اعلانِ آزادی

نوا ریزِ مسرت ہیں طلبگارانِ آزادی
بر آئی ہے مرادِ آرزو مندانِ آزادی
ہوئے ہیں چہچہہ زن زمزمہ سنجانِ آزادی
ہر اک ہندی بنا ہے بلبلِ بستانِ آزادی
سمجھ کر یہ کہ ملنے کی نہیں تا حشر مانگے سے
بالآخر کانگریس نے کر دیا اعلانِ آزادی
سنو، ہاں اے غلامی کے پرستارو سنو دل سے
سنو تم بھی نوائے نغمہ پیرایانِ آزادی
بتاؤ تو کچھ آخر اس پہ تم کس منہ سے بیٹھو گے
بچھایا ہے جو احرارِ وطن نے خوانِ آزادی

عقیدت آفریں ہیں اُن کی جانبازی کے افسانے
جو پروانوں کی صورت ہو گئے قربانِ آزادی
انہی کی ہمتوں نے روح پھونکی مردہ قوموں میں
انہی کے خون سے لکھا گیا عنوانِ آزادی
انہی کی جرأتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آتے ہیں
نظر افراط سے چاروں طرف سامانِ آزادی
غلامی کا اندھیرا میہماں ہے اب کوئی دم کا
کہ ہونا ہے طلوعِ نیّرِ تابانِ آزادی

لارڈ ارون کو الوداع

الوداع اے ارون اے دریائے حکمت الوداع
الوداع اے شاطرِ بزمِ سیاست الوداع

الوداع اے نائبِ شاہنشۂ برطانیہ
الوداع اے صاحبِ اقبال و شوکت الوداع

تھا ترا عہدِ حکومت آرڈی ننسوں کا عہد
تجھ کو بھولیں گے نہ ہندی تاقیامت الوداع

تیری سختی سے ہوئی بیدار روحِ قومیت
یاد ہم رکھیں گے تیری یہ عنایت الوداع

اب کہ اپنی سخت گیری پر ندامت ہے تجھے
خالقِ کونین کی ہو تجھ پہ رحمت الوداع

تجربے سے تجھ پہ جو روشن ہوئی کر منکشف
جا کے ابنائے وطن پر وہ حقیقت الوداع

کانگرس سے صلح میں تو نے دیا جس کا ثبوت
زندگی بھر ساتھ دے تیرا وہ جرأت الوداع

گاندھی جی کی عظمت

یہ کرنا ہی پڑا تسلیم انگریزوں کو بھی آخر
دیارِ ہند کا سب سے بڑا سردار ہے گاندھی

حمایت پر ہیں اس کی آج ہندو بھی مسلماں بھی
کہ انصاف و صداقت کا علمبردار ہے گاندھی

زمانے بھر میں آج اس کی نکوکاری کا چرچا ہے
نکو اطوار ہے گاندھی، نکو کردار ہے گاندھی

ملوکیّت سے کیونکہ اشتراکیّت کی ٹکّر ہو
کہ ان دونوں میں حائل صورتِ دیوار ہے گاندھی

سراسر ہے خطا برطانیہ والوں ہی کی اس میں
اگر برطانیہ سے برسرِ پیکار ہے گاندھی

سیاسی قیدیوں کی رہائی

کس طرح آنکھیں نہ ہوں اہلِ وطن کی فرشِ راہ
آ رہے ہیں جیل خانوں سے محبّانِ وطن
بے خریدارِ متاعِ حرّیت ہیں لا کلام
ان کو کہنا ہے زمانہ سرفروشانِ وطن
ہاں یہی تو ہیں گلستانِ وطن کے نونہال
ہاں انہی سے تازہ ہے رنگِ گلستانِ وطن
وہ خوشی ہے ان کے آنے کی کہ یکسر ہو گئی
صبحِ عشرت سے مبدّل شامِ حرمانِ وطن
جلد واپس آئیں عہدِ مارشل لا کے اسیر
منتظر ان کی بھی ہے چشمِ پریشانِ وطن

شاہ امان اللہ کا زوال

آہ! اے ہندی مسلماں دیدۂ عبرت کو کھول
رنگ کیا لایا ہے کابل میں ترا اسلام دیکھ
تو یہاں اپنوں سے لڑنے میں رہا مصروف، اور
کر گئے پورا وہاں اغیار اپنا کام دیکھ
سرفرازی پہ جن افغانوں کی تو نازاں تھا کل
آج اُن کو پائمالِ گردشِ ایّام دیکھ
راحتِ آزادیٔ کامل جنہیں حاصل تھی کل
آج تو اُن کو اسیرِ حلقۂ آلام دیکھ
نغمہ پیرا انبساطِ دل سے تھی جو قوم کل
آج اس کو شکوہ سنجِ چرخِ ازرق فام دیکھ

ہو چلی تھی روشنی تہذیب کی کچھ کچھ جہاں
چھا گئی ہے پھر وہاں تاریکئے اوہام دیکھ
دیکھنا ہے اپنی محکومی کا جو تجھ کو مآل
دیکھ! ہاں غازی امان اللہ کا انجام دیکھ

روشن خیال تاجدار

اک حادثہ ہے شاہ امان اللہ کا زوال
بالکل درست کہتے تھے منشی نہال چند
دنیا میں تاجدار تو ہیں اور بھی۔ مگر
ایسے ہیں اس زمانے میں روشن خیال چند
گھلتے ہیں ان کی طرح غم ملک و قوم میں
شام و پگاہ و روز و شب و ماہ و سال چند

منصف مزاج و خُلقِ مجسّم ہی وہ نہیں!
اوصاف اُن میں اور بھی ہیں بے مثال چند
حُسنِ تدبّر اور فنِ سلطنت میں آج
اِس پائے کے ہیں زیرِ فلک باکمال چند
مذہب پرست بھی نہیں اِن سا جہان میں
اِقرار اس کا گو نہ کریں بدخصال چند
باقی عروجِ دہر میں افغان قوم بھی
رہتے وہ حکمران اگر اور سال چند

تسخیرِ کابل

اب ہوگیا ہے بچۂ سقہ کا دور ختم
گاڑی میں کہہ رہے تھے یہ منشی نہال چند

نادر نے رکھ دیا ہے انہیں کر کے تار تار
سقوں نے جو ریا کے بچھائے تھے جال چند
غالب جو مشکلات پہ آتے ہیں اس طرح
جرنیل ایسے دہر میں ہیں باکمال چند
چُن چُن کے غازیوں نے گرفتار کر لئے
مفرور جو تھے راہزنِ بد مآل چند
ہندوستاں میں جشنِ مسرت ہے ہر طرف
کھاتے ہیں پیچ و تاب بھی گو کج خیال چند
اس میں بلا تمیزِ عقائد شریک ہیں
اقبال سنگھ، مہر علی اور لال چند
ڈاڑھی کو جو سمجھتے ہیں اسلام کا نشاں
اُن کے ہیں مسلموں میں بھی اب ہم خیال چند

ایشیا کی اُمیدوں کا خون

آج غمگیں ہے جہانِ شش جہاتِ ایشیا
ماتمی ہے پھر فضائے کائناتِ ایشیا
آہ! شاہِ ذی حشم، غازی امان اللہ خاں
منحصر ہے ذات پر جن کی ثباتِ ایشیا
ان کی پسپائی سوئے ہندوستان قندھا سے
ہے یقیناً بدترین حادثاتِ ایشیا
باغِ مشرق پر ہے طاری موت کی پژمردگی
اور ہے وقفِ خزاں نخلِ حیاتِ ایشیا
آہ! وہ آغازِ تحریکِ قیامِ حریت
آہ! یہ انجامِ اُمیدِ نجاتِ ایشیا

بنگال کونسل کا انتخاب

دل ہیں خوشی سے قوم پرستوں کے باغ باغ
بنگال سے جو آگیا جھونکا نسیم کا

گھبرا رہے ہیں دیکھ کے رفتارِ انتخاب
غرّہ بہت تھا جن کو نیازِ قدیم کا

پیری کریم کی نہ چلی زینہار کچھ
کچھ بھی ہوا نہ کارگر افسوں رحیم کا

پنجاب سے شفیع بھی جاتے تو ہیں۔ مگر
درماں الیم خاک کرے گا الیم کا

دیکھو نگاہِ غور سے اِروِن کا اضطراب
پوچھو نہ حال پیل[1] کے قلبِ دونیم کا

[1] لارڈ پیل جو ۱۹۲۹ء میں لیبر پارٹی کی وزارت بننے سے پہلے وزیر ہند تھے۔

فرطِ الم سے کیا ہے عجب جیکین اگر
بن جائے کارٹون الف[1]، لام، میم کا
اِس میں ہے کیا کلام کہ نکلا ہے وہ درست
گپتا کو جو یقین تھا فتحِ عظیم کا
بنگال میں سمجھئے وزارت کا خاتمہ
ایسا ہی کچھ بیان ہے عبدالرحیم کا

[1] لفظ الم کے ہجے "الف - لام - میم" ہیں:

چور کی ڈاڑھی میں تنکا

یہ کہہ رہا تھا میں اک دوستدار سے کل شام
کہ زندگی کا زمانے میں اعتبار نہیں
لگی ہوئی نہ ہو پیچھے ازل سے جس کے خزاں
ریاضِ دہر میں ایسی کوئی بہار نہیں
نہ مارے دولتِ عقبیٰ پہ آدمی کبھی لات
برائے دولتِ دُنیا کہ پائیدار نہیں
جو لوگ کرتے ہیں قوم و وطن سے غدّاری
کوئی بھی ان سے زیادہ گناہگار نہیں
مَیں کہنے پایا تھا اتنا کہ بول اُٹھے حضرت
خطاب کا بخدا میں امیدوار نہیں

مشورہ

مسٹر ایبٹ نے مرے اک دوست سے
یوں کہا اک بات سنتے جائیے
ہیں ہماری شکل سے بیزار لوگ
مدعا یہ ہے یہاں سے جائیے!
عذر کچھ ہم کو بھی جانے میں نہیں
ہے سوال اتنا کہ کیسے جائیے
ہم سے وابستہ ہیں جو اہلِ غرض
کس طرح دھوکا انہیں دے جائیے
کی یہ سن کر عرض میرے دوست نے
آپ ان کو ساتھ ہی لے جائیے

راز کی بات

چرچل سے بالڈون نے کہا تو اور نہیں میں اور نہیں
کرتا ہے قیامت کیوں برپا تو اور نہیں میں اور نہیں
راہیں ہوں ہماری لاکھ جدا منزل تو ہماری ایک ہی ہے
تجھ میں مجھ میں جھگڑا کیسا تو اور نہیں میں اور نہیں!
کس طرح یقین دلاؤں تجھے، دل چیر کے کیسے دکھاؤں تجھے؟
اے مشفقِ من سُجدُ السجدا تو اور نہیں میں اور نہیں!
تو بھی ٹوری میں بھی ٹوری[له]۔ ٹوری نہیں بلکہ مہا ٹوری
تو مجھ سے سوا میں تجھ سے سوا تو اور نہیں میں اور نہیں
وائٹ پیپر ہے شے ہی کیا۔ وائٹ پیپر میں ہے ہی کیا؟
لیکن یہ راز نہ ہو رسوا، تو اور نہیں میں اور نہیں

له پارلیمنٹ برطانیہ کی قدامت پسند پارٹی کو ٹوری پارٹی بھی کہتے ہیں۔

چھپن فی صدی کا خبط

اس نظم میں ردیف کے الفاظ "چھپن فی صدی" پہلے شعر کے سوا ہر جگہ بلا ضرورت آئے ہیں۔ یعنی محض شعر کا وزن پورا کرنے کے لئے عام حالتوں میں الفاظ ردیف کا ایسا بے معنی استعمال شاعر کی خام مشقی پر دلالت کرتا ہے۔ اسلئے ممکن ہے بعض اصحاب کو تعجب ہو کہ ذوقؔ جیسے پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر سے ایسی خامی کس طرح سرزد ہوئی۔ مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ نظم کے عنوان سے صاف ظاہر ہے کہ جس شخص کے خیالات اس نظم کا موضوع ہیں "چھپن فی صدی" اس کا تکیہ کلام ہے یا الفاظ دیگر شاعر نے الفاظ چھپن فی صدی کو بے معنی طریق پر استعمال کرکے بدرجہ کمال با معنی بنا دیا ہے اور اس شخص کی ذہنی کیفیت کا سچا فوٹو پیش نظر کر دیا ہے۔ یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے۔

نقاد

وعظ فرماتے تھے کل بازار میں سید نجیب
ہے وظیفہ جن کا صبح و شام چھپن فیصدی
کہہ رہے تھے اے مسلمانو اٹھو باندھو کمر
اور کچھ کرکے دکھاؤ کام چھپن فیصدی
پست ہمت ہم سا دنیا میں کہاں ہوگا کوئی
اپنی پستی کا ہے چرچا عام چھپن فیصدی

ہو رہے ہیں اپنی ہی غفلت سے ہم آفاق میں
پائمالِ گردشِ ایام ۔ چھپن فیصدی
چھوڑ دو آپس میں لڑنا تم کہ ہوگا بالیقین
اس لڑائی کا بُرا انجام چھپن فیصدی
خادمِ اسلام بن جاؤ دل و جاں سے کہ ہے
تم پہ واجب خدمتِ اسلام چھپن فیصدی
بھائی ہیں بیشک ہمارے رشتۂ اسلام سے
اہلِ ایران و عراق و شام چھپن فیصدی
فرض ہے ہم پر وفاداری حکومت کی مدام
قوم کو ہے یہ مرا پیغام چھپن فیصدی
یاد رکھو تم کہ ہوتا ہے تنزل کا سبب
کام کے اوقات میں آرام چھپن فیصدی

قبضہ چھپن فی صدی اپنا جماؤ ہر جگہ
یوں کرو روشن بڑوں کا نام چھپن فیصدی
خوب نسخہ ہے دماغی تقویت کے واسطے
گھوٹ کر پیتے رہو بادام چھپن فیصدی

مذہب کی آڑ میں

دقت اگر ہو کوئی حصولِ معاش میں
کیوں شکوۂ شدائدِ ایام کیجئے
آتی ہے ایک سمت سے لبیک کی صدا
جھوٹی رپورٹیں سحر و شام کیجئے
ہر صبح اُٹھ کے بہرِ ملاقات جائیے
جی کھول کر خوشامدِ حکام کیجئے

دیوانے کانگریس کے اگر حرف گیر ہوں
جتنا بھی ہو سکے انہیں بدنام کیجئے
بدنام کرنے کی ہیں تدابیر سینکڑوں
بالکل ہی کچھ نہ سوجھے تو یہ کام کیجئے
یا غلغلہ اٹھائیے ہندو مفاد کا
یا دعوائے حفاظتِ اسلام کیجئے

جیل سے رہا ہونے والے!

دہلوی جا رہے ہیں دہلی کو
شاد و بشاش، خرّم و خورسند
میرے دل سے نکلتی ہے یہ دعا
بہ سلامت روند و باز آیند[1]

[1] سلامتی سے جائیں اور واپس آئیں

ٹرکی بہ ٹرکی

مسٹر گرانٹ کہنے لگے خیر دین سے
آٹا نہیں سلام کو ٹم صبح و شام اب
ڈیٹا نہیں رپورٹ کبھی لا کے شہر کا
کرٹا گورمنٹ کا گفلٹ سے کام اب
کرٹا نہیں کمیٹی میں ٹافک ہمارا باٹ
ڈیٹا نہیں زبان کو اپنا لگام اب
کھلنے لگی ہے ڈیسیوں کی بھی زبان کچھ
ہونے لگا ہے مینٹڈکی کو بھی زکام اب
اچھا سزا گرُور کا جرمن کو مل گیا
لیٹا ہے کالا لوگ کا بھی کھرہام اب

ٹرکی تمام ہو گیا ٹرکوں کا یا نہیں
کہتا ہے کانگرس کا بھی ٹرکی تمام اب
سن کر دیا جواب میاں خیر دین نے!
بس ترک کیجئے گا یہ طرزِ کلام اب
احرار کے خلاف کریں ہم رپورٹیں
زنہار ہو سکے گا نہ ہم سے یہ کام اب
کیسے ملائیں آپ کی ہاں میں مدام ہاں
لازم ہے ووٹروں کا ہمیں احترام اب
حاضر سلام کے لئے ہوں صبح و شام ہم
اس کام کو ہے دور سے اپنا سلام اب
اب ختم عہدِ خواجگی و بندگی ہوا
کوئی کسی کو رکھ نہ سکے گا غلام اب

اب پائے ناز پہ نہ جھکے گا سرِ نیاز
ہم سے پیا نہ جائے گا ذلّت کا جام اب
جوشِ وفا میں قوم سے غدّاریاں کریں
دِل سے نکال لئے گا یہ سودائے خام اب
پیدا ہیں بزمِ دہر میں آثارِ انقلاب
یکسر بدل رہا ہے پُرانا نظام اب
انسانیت سے چلنا پڑے گا جناب کو
فرعونیت نکال سکے گی نہ کام اب
ہندوستان میں ہے نئی روشنی کا دَور
چاروں طرف ہے شورِ مساواتِ عام اب
وہ دن گئے کہ وردِ زباں جی حضور تھا

فخرِ قوم بننے کا سہل نسخہ

نہیں زنہار کوئی بات اس میں شرمساری کی
اگر طالب ہے تو حکّام کی چشمِ عنائت کا
میرا ذمّہ جو ٹوڈی سے نہ فخرِ قوم بن جائے
اگر بیڑا اُٹھائے سشاردِ اہل کی حمائیت کا
یہ وہ آساں تریں راہِ عمل ہے جس پہ چلنے میں
حکومت کی طرف سے بھی نہیں خطرہ شکائیت کا
سوادِ یاس نورِ کامرانی سے بدل جائے
دیا جو ہاتھ میں لے کر چلے تو اس ہدائیت کا
یونہی سب آم کھا کر گٹھلیوں کے دام لیتے ہیں
طریقہ ہے یہی باشندگانِ ہر ولائیت کا

فاقہ کشی کا جُرم

اب دی گئی ہے فاقہ کشی بھی قرارِ جُرم
کہتے تھے ایک دوست سے منشی نہال چند

بے شُبہ ہے عجیب سیشن جج کا فیصلہ
احمد علی ہے متّفق اس سے نہ لال چند

تصویر بن گئے ہیں تعجّب کی ہُو بہُو
قانون پیشہ ہیں جو یہاں باکمال چند

کر دیں جناب ٹیپ یہ یہ کاش آشکار
بندے خدا کے ہیں جو صحیح الخیال چند

ہر سمت ہند میں نظر آئیں گے فاقہ کش
حالت یہی رہے گی اگر اور سال چند

سچے مسلمان

۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا بگل بجایا۔ تو وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان بھی جرمنی سے برسرِ جنگ ہے کانگریس نے اس بنا پر کہ ہندوستان کو فریقِ جنگ بنانے سے پہلے ہندوستان کے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کی رائے نہیں لی گئی۔ وائسرائے کی اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مگر یہ صدا بہرے کانوں پر پڑی۔ تو آٹھوں کانگرسی صوبوں کی وزارتوں کو مستعفی ہو جانے کا حکم دے دیا۔ صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت نے بھی وفاداری سے اس حکم کی تعمیل کی اور استعفا داخل کر دیا۔ اس سلسلہ میں صوبہ سرحد کی لیجسلیٹو اسمبلی کا جو اجلاس ہوا اس میں مسلم لیگی اپوزیشن لیڈر سردار اورنگ زیب خاں نے کانگرس پارٹی کے پیش کردہ ریزولیوشن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے عام ووٹروں کا ذکر بڑے حقارت آمیز لہجہ میں کیا اور کہا کہ کانگرس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ بلکہ ڈتّا اور کریما کی قماش کے لوگوں کو خوش کرنا چاہتی ہے۔ اتفاق سے والد ماجد بھی اس وقت پشاور میں تھے اور وزیٹرز گیلری میں بیٹھے اسمبلی کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ اس نظم میں انہوں نے سردار اورنگ زیب خان کی اس تقریر کا مذاق اڑایا ہے اور بتایا ہے کہ جن لوگوں کو سردار صاحب حقیر، ذلیل اور نظر انداز کئے جانے کے قابل سمجھتے ہیں وہ کوٹھیوں میں رہنے والے نخوت پسندوں سے زیادہ سچے مسلمان ہیں۔ پشاور کے ایک جلسۂ عام میں جو اگلی شام کو کانگرسی وزارت کے فیصلہ کی تائید کرنے کیلئے منعقد ہوا۔ اس نظم کو بیحد پسند کیا گیا۔

کہہ دے کوئی جنابِ اورنگ زیب خاں سے

جن کی نظر میں جاہل ہیں ڈتّہ اور کریما

رکھتا ہے اپنے دل میں ایمان کی حرارت
گاما ہو یا گھسیٹا، فجّا ہو یا رحیما
مومن ہے گو شفی کو بنگلہ نہیں میسّر
مسلم ہے کار سے گو محروم ہے عظیما
بندے یہی خدا کے ہیں جن کے دم قدم سے
چلتا ہے آپ کا بھی زردہ پلاؤ قیمہ
سچ مچ اگر خدا کا گھر ہے غریب کا دل
اسلام کا حقیقی حامل ہے پھر کلیما
کہتا نہیں زمانہ عبدالحکیم جس کو
ممکن ہے آپ سے ہو دیندار تر وہ گھیما
حرص و ہوا کے پھندے اتنے عزیز کیوں ہیں؟
ایسا بھلا دیا ہے کیوں آپ نے کریما؟

بازار میں ہزاروں اشخاص کہہ رہے تھے
پڑھ پڑھ کے آج تازہ اخبار کا ضمیمہ
سردار جی کو اتنی ہم سے اگر ہے نفرت
کر دالیں ممبری کا اور لیڈری کا بیمہ

آئین کی درگت

فضول ہے یہ شکایت جنابِ نہرو کی
کہ دائسرائے کو وعدوں کا احترام نہیں
اسمبلی کی بڑھائی گئی ہے جو میعاد
وہ زینہار خلافِ مفادِ عام نہیں
مفادِ عام کی ان کو خبر ہی کیا ہے بھلا!
کہ جن کے ہاتھ فرائض کا انصرام نہیں

کیا گیا ہے فریب آج ووٹروں کے ساتھ
کسی کو اس کی صداقت میں کچھ کلام نہیں
مگر ہے اس میں قصورِ اہلِ مُلک کا یکسر
جو راہِ حسنِ عقیدت پہ تیز گام نہیں
حلال جس کو دیا ہے قرار اَرْوَن نے
حرام بھی ہے اگر وہ تو پھر حرام نہیں
اگرچہ ہند میں آئین کی حکومت ہے
مگر حکومت اس آئین کی غلام نہیں

ہندوستانیوں کی سادہ لوحی

بے شُبہ اہلِ ہند بڑے سادہ لوح ہیں!
کہتے تھے ایک بزم میں منشی نہال چند

تقریرِ شاہ میں نہیں جو ذکرِ ہند کا
کیوں اس پہ سیخ پا ہیں بہت بد مآل چند
مانا کہ حکمران ہیں مزدور اِن دنوں
جن میں ہیں اہلِ ہند کے بھی ہم خیال چند
مانا کہ ہیں خلوص مجسّم وزیرِ ہند
جن سے سیاسیات میں ہیں باکمال چند
اے دوستو یہ سچ ہے مگر وہ بھی کیا کریں
جب سامنے ہوں اِن کے اہم تر سوال چند
پھر یہ بھی ہو لیقیں کہ زمیں پھٹ نہ جائیگی
ہندی اگر غلام رہیں اور سال چند
قُلی بلاؤ کوئی ہینڈ بیگ اٹھانے کو
وہ باندھتے ہیں کمر خدمتِ وطن کیلئے

غزلیات

بس اب میں رات دن کی یہ اذیت سہ نہیں سکتا
کہ سب کچھ دیکھتا ہوں اور کچھ بھی کہہ نہیں سکتا

کوئی اندیشۂ تعزیر سے کچھ کہہ نہیں سکتا!
ستم وہ ہو رہے ہیں آدمی تو سہہ نہیں سکتا

زباں کا کام کرتی ہے نگاہوں کی پریشانی
خموشی سے بھی دل کا رازِ پنہاں رہ نہیں سکتا

جہاں میں عام ہے میرے الم کی داستاں لیکن
وہ مجھ سے سن نہیں سکتے، میں اُن سے کہہ نہیں سکتا

فریب و مکر سے دبتی نہیں قوموں کی بے چینی
کہ خس میں شعلۂ بیتاب پنہاں رہ نہیں سکتا

اماں آغوشِ ساحل میں بھی اس کو مل نہیں سکتی
جو امواجِ حوادث کے تھپیڑے سہ نہیں سکتا
فنا آمادگی میں ہے وفا رازِ بقا پنہاں!
جسے مرنا نہیں آتا وہ زندہ رہ نہیں سکتا

ہمارے درپئے ایذا ہے چرخِ بدشعار اب بھی
کہ ہم ہیں پائمالِ گردشِ لیل و نہار اب بھی
نمونہ دشتِ وحشت کا ہے اپنا لالہ زار اب بھی
بہار اپنی ہے غیروں کی خزاں سے شرمسار اب بھی
میسّر ہے فراوانیٔ عیش اقوامِ عالم کو
مگر ہندوستانی ہیں پریشاں روزگار اب بھی
حجاز و شام میں ٹرکی میں آزادی کے چرچے ہیں
مگر ہندوستاں کا ہے غلاموں میں شمار اب بھی

گزشتہ تجربوں سے بھی سبق ہم کچھ نہیں سیکھے
وہی ہے اعتبارِ وعدۂ بے اعتبار اب بھی

خوشامد اب بھی شیوہ کاسہ لیسانِ ازل کا ہے
گھسی جاتی ہے سجدوں سے جبینِ انکسار اب بھی

ستم توڑے ہیں سال و ماہ جس نے اے وفا ہم پر
اسی سے ہیں نگاہِ لطف کے امیدوار اب بھی

خوشا جلوۂ نو بہارِ وطن
خوشا منظرِ لالہ زارِ وطن

بیاں کیا ہو شانِ بہارِ وطن
ہے گلپوش ہر رہگزارِ وطن

بہارِ جناں بھی مسلّم مگر
بہارِ وطن ہے بہارِ وطن

کلی دل کی بیساختہ کھل گئی
جب آئی ہوائے دیارِ وطن

وہ غربت کی سب کلفتیں مٹ گئیں
نظر آگیا جب غبارِ وطن

وہ مخدومِ اہلِ وطن کیوں نہ ہو
جو دل سے ہے خدمتگزارِ وطن

یہی ہے یہی حاصلِ زندگی

وفا زندگی ہوشیارِ وطن

دل کمالِ شوق سے ہے بیقرارِ اتحاد
چشمِ مضطر ہے رہینِ انتظارِ اتحاد

دیکھ کر چاروں طرف بد اعتمادی کی فضا
آئے تو کس طرح آئے اعتبارِ اتحاد

کام اغیارِ نفاق انگیز اپنا کر گئے
اور دیتے رہ گئے ہم اشتہارِ اتحاد

کاش اب کافور ہو جائے شبِ تارِ نفاق
ہم بھی دیکھیں جلوۂ صبحِ بہارِ اتحاد

اِس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا نہیں
ہے رواداری باہم پر مدارِ اتحاد

ہو کے ہم آہنگ پھر اے عندلیبانِ وطن
اس گلستاں کو بنا دیں نغمہ زارِ اتحاد
ملک میں ہو جائے قائم اتحاد آج آو فا
ہو اگر سب کا چلن آموزگارِ اتحاد

ہند والوں کے دلوں کی ترجماں ہے کانگرس
ان کروڑوں بے زبانوں کی زباں ہے کانگرس
روز و شب اک گرمجوشی اور بے خوفی کے ساتھ
منزلِ مقصود کی جانب رواں ہے کانگرس
پیشقدمی میں ہے یہ مانندِ دریائے رواں
اور استقلال میں کوہِ گراں ہے کانگرس
ملک و ملّت کی امیدوں کا ہی یہ ہے مدار
اس سبب سے مرجعِ پیر و جواں ہے کانگرس

ہے یہاں مفقود شیخ و برہمن کا امتیاز
بے نیازِ جنگِ ناقوس و اذاں ہے کانگرس

ہر طرف جاری ہے تحریکِ قیامِ حریت
اور اس تحریک کی روحِ رواں ہے کانگرس

اے وفاؔ میں کیوں نہ ہوں اسکا غلامِ زرخرید
ضامنِ آزادیٔ ہندوستاں ہے کانگرس

چلی تفریق کی ایسی ہوا رنگِ چمن بگڑا!
فضائے سبزہ بگڑی منظرِ سرو و سمن بگڑا

گلوں پر شدتِ جورِ خزاں سے کیا بنی یارب!
کہ اندازِ نوائے عندلیبِ نغمہ زن بگڑا

بنایا سب کو پھر کچھ اس طرح اس شوخ پُرفن نے
ہر اہلِ انجمن سے پھر ہر اہلِ انجمن بگڑا

بگاڑ ایسا نہ دیکھا تھا کبھی پہلے ان آنکھوں نے
دماغِ شیخ بگڑا اور مزاجِ برہمن بگڑا

بگڑنے کی وبا پھیلی ہے اک دل کے بگڑنے سے
جو دل بگڑا نظر بگڑی زباں بگڑی دہن بگڑا

نہ اب تادیب میں شفقت۔ نہ شوخی میں ادب باقی
بزرگوں کی روش بگڑی عزیزوں کا چلن بگڑا

عذابِ جاں ہوئی ہیں بیڑیاں آخر غلامی کی
نظر آتا ہے اب کچھ اے وفا حالِ وطن بگڑا

اب ہے جبر شکایت ہوئی فریاد غضب ہے
وعدے ترے تجھکو نہ رہے یاد غضب ہے

آیا نہ کبھی زلزلہ ایوانِ ستم میں
سنتے تھے کہ آہِ دلِ ناشاد غضب ہے

بیداد کی اینٹوں سے جو تعمیر ہوا تھا
اس قصر کی ملتی نہیں بنیاد غضب ہے

ہیلی بھی ڈوا ئرکسی طرح نہیں کم
شاگرد قیامت ہے جو استاد غضب ہے

چرخِ ستم ایجاد کا شاکی ہے وفا تو
اُس سے بھی مرا بلئیے بیداد غضب ہے

رہینِ یاس ہوں۔ ناآشنائے شادمانی ہوں
ریاضِ دہر میں ننگِ بہارِ زندگانی ہوں
مرقع ہوں سراپا انقلاباتِ زمانہ کا
حوادث کا فسانہ ہوں مصائب کی کہانی ہوں
نہیں اسکے سوا کچھ آہ! مصرف میری ہستی کا
کہ میں آماجگاہِ ہر بلائے ناگہانی ہوں
وبالِ جاں ہے جب مجھکو حیاتِ چندروزہ بھی
تو کس مُنہ سے طلبگارِ حیاتِ جاودانی ہوں
مِرا نام و نشاں کیا پوچھتا ہے اے وفا مجھ سے
مِری حالت سے ظاہر ہے کہ میں ہندوستانی ہوں